موجودہ دور میں قیدیوں کی شرعی حیثیت

از: مولانا اختر امام عادل قاسمی

جامعہ ربانی منورواشریف (انڈیا)

آج دنیا میں انسانوں کے درمیان جو طبقاتی تقسیم اوران کے درمیان حقوق کی ناہمواری پائی جاتی ہے اس کی ایک بدترین مثال انسانوں کا وہ طبقہ ہے جو اپنے بعض حالات کی بناء پر قید خانہ کی سلاخوں کے پیچھے زندگی گذارنے پر مجبور ہے، اس کے بالمقابل اسلام کے عادلانہ نظام میں انسانی تمام طبقات کے لئے مثالی توازن وہم آہنگی اوران کے حقوق وجذبات کی پرممکن رعایت پائی جاتی ہے۔

اسلام نے اپنی تمام تعلیمات میں قیدیوں کے ساتھ عام انسانی احترام میں کوئی کمی نہیں کی، اسلامی نقطہ نظر سے ہر انسان ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اس لئے اس کو اپنے حقوق کے معاملے میں پوری آزادی ملنی چاہیئے۔ البتہ انسان کبھی ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہوجاتا ہے، جو عام انسانی اجتماع کے لئے ضرررساں ثابت ہوتی ہیں ایسے موقعہ پر عام انسانی مفادات کے تحفظ کے لئے ضروری ہوجاتا ہے کہ اس شخص کی سرگرمیوں کو محدود کیا جائے، یا اس پر مکمل بندش عائد کردی جائے، اسی کے لئے قید کی ضرورت پڑتی ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں کوئی باقاعدہ قید خانہ یا جیل کا نظام نہیں تھا، اور نہ کبھی باضابطہ حضور ﷺ نے کسی کے لئے قید کی سزا تجویز فرمائی۔ (اقضیة رسول الله صلى الله عليه وسلم لابن فرح/۱۱، تبصرة الحكام لابن فرحون، الموسوعة ۲۸۴/۱۶).

صرف تحقیق حال کے لئے بعض ملزمین کو وقتی طور پر قید کا حکم فرمایا، مثلاً: ایک مرتبہ قبیلہ بنوغفار کے دو شخص حضور ﷺ کے حضور پیش کیے گئے، ان پر دو اونٹوں کی چوری کا الزام تھا، حضور ﷺ نے ایک کو روک لیا اور دوسرے کو اونٹ تلاش کرنے کا حکم دیا، بالآخر وہ دوسرا شخص دونوں اونٹ لے کر دربار نبوت میں واپس ہوا اور پھر دونوں کی رہائی عمل میں آئی۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۱۶، ۲۱۷).

قید کا نظام:

عہد فاروقی سے اس کا آغاز ہوا اور ضرورت کے تحت قید خانہ کا نظام رائج کیا گیا، حضرت عمر فاروقؓ کے حکم پر مکہ کے گورنر نافع بن عبدالحارث نے اس غرض سے چار ہزار (۴۰۰۰) درہم میں صفوان بن امیہ کا مکان خریدا، اسی طرح حضرت علی نے کوفہ میں باقاعدہ قید خانہ قائم کیا۔ (المبسوط ۸۹/۲۰، الطرق الحكميه ۱۰۳، الموسوعة ۳۱۶).

نیز حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کوفہ میں اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ مکرمہ میں اپنے اپنے عہد حکومت میں قید خانہ قائم فرمایا۔ (تفسیر خازن ۷۱/۲، زادلمعاد ۷۴/۲، الموسوعة ۲۸۶/۱۶).

پھر بعد کے ادوار میں تمام ہی مسلم حکمرانوں نے اس نظام کو باقی رکھا، اور اسلامی قاضیوں نے مختلف جرائم میں قید کی سزا تجویز فرمائی۔ لیکن

یہ سب محض وقتی اور ناگزیر ضرورت کے تحت گوارا کیا گیا، اسی لئے قید کے کسی مرحلے پر بھی انسانی احترام کو نظر انداز نہیں کیا گیا، اسلام نے قیدیوں کے ساتھ مراعات اور حسن سلوک کی تعلیم دی، اور ہر حال میں اس پہلو پر دھیان مرکوز رکھا کہ وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں، ان کے پاس بھی ضروریات اور تقاضے ہیں اور وہ بھی جذبہ واحساس رکھتے ہیں، اور کل وہ بھی تمہاری طرح آزاد تھے، حالات زمانہ نے ان کو اس حال تک پہنچا دیا ہے، اس لئے ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرو۔

قیدیوں کے اسلامی ہدایات:

غزوہ بدر میں فتح کے بعد جنگی قیدی حضور ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے تو زبان نبوت سے جو جملہ صادر ہوا وہ قیدیوں اور کمزور طبقہ کے لیے نبوت کا سب سے بڑا عطیہ ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا ایھاالناس ان اللہ قدامکنکم وانماھم اخوانکم بالامس (مجمع الزوائد ۱/۸۷).

ترجمہ: اے لوگو! اللہ نے آج تم کو ان پر قدرت دی ہے اور کل یہ تمہارے بھائی تھے۔ قرآن کریم میں قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ابرار اور مقربین کی صفت قرار دیا گیا:

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناویتیماواسیرا (سورۃ دھر ۸).

ترجمہ: اور یہ لوگ پوری محبت اور خلوص کے ساتھ مسکین، یتیم، اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

حضور ﷺ نے یہ ہدایات فرمائی:

استوصوابالاساری خیرا (طبرانی کبیر بحوالہ سیرۃ المصطفیٰ ۱/۵۷۹، مولانا ادریس کاندھلوی).

ترجمہ: قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت قبول کرو۔

غلام جیسے کمزور طبقہ کے بارے فرمایا:

فاطعمہ مماتاکلون واکسوہ مماتکسون (احمد وابوداؤد، مشکوٰۃ ۲۹۲)۔

ترجمہ: جو خود کھاتے ہو ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو ان کو پہناؤ۔

ان کی عزت نفس کا بھی پورا لحاظ فرمایا، اور ارشاد فرمایا:

لاتقل عبدی ولامتی ولکن قل فتائی وفتاتی (مجمع الزوائد ۶/۸۷)۔

ترجمہ: غلام اور باندی کہہ کر ان کو مت پکارو بلکہ اے میرے بیٹے اور اے میری بیٹی کہہ کر آواز دو۔

انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ عہد اوّل میں جن مسلمانوں کے پاس قیدی تھے وہ اوّل کھانا قیدیوں کو کھلاتے اور بعد میں خود کھاتے اور اگر کھانا نہ بچتا تو خود کھجور پر اکتفاء کر لیتے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے حقیقی بھائی ابوعزیز بن عمر بھی ایک بار قید ہو کر آئے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کے جس گھر میں تھا ان کا یہ حال تھا کہ صبح وشام جو تھوڑی بہت روٹی بنتی وہ مجھ کو کھلا دیتے اور خود کھجور کھاتے، میں

شرماتا اور ہر چند اصرار کرتا کہ روٹی آپ لوگ کھائیں لیکن نہ مانتے اور یہ کہتے کہ رسول ﷺ نے ہم کو قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے۔(مجمع الزوائد ۶/۸۶).

(دعویٰ) الزام عائد کرنے کا ضابطہ:

غرض اسلام ہر انسان کی شخصی آزادی اور احترام کو بہت اہمیت دیتا ہے، اور کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا ہے کہ کسی کی آزادی وعزت نفس کو نقصان پہنچائے، اسی لیے شریعت اسلامیہ اس کی اجازت نہیں دیتی کہ خواہ مخواہ کسی پر الزام لگا کر اس کی حیثیت کو مجروح کیا جائے، اور نہ اسلامی عدالت اس کی مجاز ہے کہ محض الزام کی بناء پر کسی کو مجرم قرار دے، الزام لگانے کے لیے ضابطہ مقرر کیا گیا کہ: ''البینة علی المدّعی و الیمین علی من انکر. (متفق علیه :نصب الرایه ۴/۹۵).

ترجمہ: ''دعوی پیش کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ ثبوت فراہم کرے بصورتِ دیگر منکر سے قسم لے کر اس کو بری قرار دیا جائے گا''۔

بلکہ بعض صورتوں میں تو ثبت فراہم نہ کرنے کی صورت میں خود مدعی کو مجرم قرار دیا جاتا ہے، اور اس کو بے بنیاد الزام لگانے کے جرم میں سزا دی جاتی ہے، مثلاً کوئی شخص کسی پر ''زنا'' کا الزام لگائے اور اس کو اصول کے مطابق ثابت نہ کر سکے، تو خود الزام لگانے والے پر حد قذف عائد کی جاتی ہے، اس سے تعزیرات کے باب میں اسلام کے تصورِ جرم کا پتہ چلتا ہے کہ ''جرم'' صرف وہ ہے جس کو ثابت کر دیا جائے۔ اور جو ثابت نہ ہو سکے وہ صرف ''الزام'' ہے۔

ملزم کو قید کرنے کا مسئلہ:

محض الزام کی بناء پر کسی پر سزا نافذ نہیں کی جا سکتی، البتہ کبھی ایسی صورت پیش آ سکتی ہے جس میں الزام کی تنقیح اور ثبوت کی فراہمی میں تھوڑا وقت لگ سکتا ہے، اس درمیانی مدت میں ملزم کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ اس باب میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔

(۱) قاضی شریح، امام ابو یوسف، اور امام الحرمین کی رائے میں مکمل ثبوت کے بغیر محض الزام کی بناء پر کسی کو قید نہیں کیا جا سکتا، قاضی شریح نے ایک مالی معاملہ میں ماخوذ ملزم کو ثبوت نہ ملنے کی صورت میں محض قسم لیکر بری کر دیا تھا۔(تبصرة الحکام ۱/۲۰۷).

امام ابو یوسف اسطرح کی صورت میں زیادہ سے زیادہ کسی معتبر ضمانت دار کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ضمانت مل جانے کی صورت میں ملزم کو اپنے گھر جانے کی اجازت ہے۔(کتاب الخراج ۱۹۰/۱۹۱).

اس سلسلے میں ایک واقعہ حضرت عمر بن الخطاب کا نقل کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس ایک ملزم گرفتار کر کے لایا گیا، اور ثبوت فراہم نہ ہو سکا تو اپنے اس کو چھوڑ دیا۔(المحلی لابن حزم ۱۱/۱۳۱، مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۱۷).

(۲) بعض فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ جن مقدمات میں ثبوت جرم کے بعد قید ہی کی سزا مقرر ہے، مثلاً مالی معاملات، ان میں مکمل ثبوت کی فراہمی کے بغیر ملزم کو قید میں رکھنا درست نہیں ہے۔

سحنون وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ جن مقدمات کی سزا قید نہیں ہے مثلاً حدود وقصاص کے معاملات، ان میں عدالتی کاروائی مکمل ہونے تک ملزم کو قید میں رکھا جاسکتا ہے۔

(حاشیہ القلیوبی ۳۰۶/۴، درمختار مع ردالمحتار ۴۰/۴، ۲۹۹/۵، العنایہ للباھرتی ۴۰۱/۵، المغنی لابن قدامہ ۳۲۸/۹).

(۳) جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر ملزم کوئی معروف اور نیک شخص ہو، اور اس کی ذاتی زندگی غیر مشتبہ اور صاف ستھری سمجھی جاتی ہو، تو ایسے شخص کو بلا ثبوت قید کرنا یا سزا دینا درست نہیں، البتہ مستور الحال شخص کو تحقیق حال تک قید کرنا درست ہے، یا ملزم کوئی مشتبہ شخص ہو اور اس طرح کے الزامات اس پر لگتے رہے ہوں تو اس کو بھی قید کرنا درست بلکہ نسبتاً بہتر ہے۔ (حاشیہ ابن عابدین ۸۸/۴، حاشیہ الدسوتی ۲۷۹/۳، الاحکام السلطانیہ للماوردی ۲۱۹، المغنی لابن قدامہ ۳۲۸/۹ بحوالہ الموسوعۃ ۲۹۲/۱۶).

قید کا ثبوت:

جمہور کی بنیاد درج ذیل آیات واحادیث ہیں:

٭ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وتحبسونهما من بعد الصلوة فیقسمان بالله (مائدۃ:۱۰۶)۔

ترجمہ: ان کو قید کرو نماز کے بعد، پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں۔

اس میں ادائے حق تک قید کرنے کا جواز ملتا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث جس کا ذکر اس سے قبل آچکا ہے کہ ''دربار نبوت میں قبیلہ بنوغفار کے دو شخص دو انٹوں کی چوری کے الزام میں پکڑ کر لائے گئے، آپ نے دونوں میں سے ایک کو اپنے پاس روک لیا، اور دوسرے کو اونٹ حاضر کرنے کا حکم دیا، بالآخر وہ شخص گیا اور دونوں اونٹ لے کر حاضر ہوا۔ (مصنف عبدالرزاق ۲۱۶/۱۰، ۲۱۷، مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل).

نیز روایت ہے کہ واقعہ خیبر کے بعد ابن ابی الحقیق کو دربار نبوت میں پیش کیا گیا، اس پر ایک خزانہ کو چھپانے کا الزام تھا، جبکہ اس کا دعویٰ تھا کہ خزانہ خرچ ہو چکا ہے، مگر نبی کریم ﷺ نے اس شبہ کی بناء پر اس کا دعویٰ رد کر دیا کہ ابھی جنگ کو بہت دن نہیں ہوئے، اور مال بہت زیادہ تھا۔ (**العهد قریب والمال اکثر**) اور آپ نے تحقیق حال تک اس کو قید رکھنے کا حکم دیا، اور حضرت زبیرؓ کی تھوڑی سی تادیبی کارروائی کے بعد ہی اس نے خزانہ کی نشاندہی کر دی۔ (**ثم امر الزبیر ان یمسه بعذاب حتی ظهر الکنز**) (ابو داؤد ۴۰۸/۳، تحقیق عزت عبید دعاس، فتح الباری ۳۲۸/۵ مطبوعہ السلفیہ تبصرۃ الحکام ۱۱۴/۲).

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے دو ملزموں کو اقرار تک قید کرنے کا حکم دیا۔ (تبصرۃ الحکام ۱۴۰/۲).

ان احادیث وآثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمہور فقہاء کا موقف اس سلسلے میں زیادہ مضبوط ہے۔ نیز یہ بات قرین قیاس بھی ہے، اس لیے کہ ملزم بعض حالات میں اپنے برے انجام سے بچنے کے لیے راہ فرار اختیار کر سکتا ہے، اور اس طرح عدالتی کاروائی تعطل کا شکار ہوسکتی ہے، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ملزم کے باہر رہنے کی صورت میں مدعی کی طرف سے اسے کسی زیادتی کا سامنا کرنا پڑے، اس لیے ملزم کو حراست میں رکھا جائے، اور عدالتی کاروائی مکمل ہونے تک اس کی حفاظت کا انتظام کیا جائے، البتہ ملزم اگر معروف اور غیر مشتبہ شخص ہو، اس کے فرار ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور نہ اس کی ذاتی حفاظت کا کوئی خطرہ ہو، تو عدالت اس پر اعتماد کر سکتی ہے، اسی طرح اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ مشتبہ ملزم جس کو عدالت کاروائی مکمل ہونے تک قید کرنے کا حکم دے گی وہ قید خانہ میں عام شہری کی طرح زندگی گذارے گا اور اس کو کسی قسم کی ذہنی یا جسمانی اذیت نہیں دی جائے گی۔

قید کی مدت:

اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مشتبہ ملزم کے لئے قید کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، یہ حاکم کی صوابدید اور متعلقہ حالات پر موقوف ہے، جتنے دنوں میں صورت حال منقح ہو جائے، اتنے دنوں تک قید میں رکھنے کی گنجائش ہے، علامہ ابن تیمیہ نے اس قول کو امام مالک، امام احمد اور محققین حنفیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۵/ ۳۹۷، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۸۸)۔

جبکہ مالکیہ کی یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ مستور الحال کو لمبے عرصہ تک قید میں نہیں رکھا جا سکتا، لمبے عرصہ کا اطلاق ان کے نزدیک ایک سال سے زائد پر ہوتا ہے۔ (تبصرة الحکام ۱/ ۲۶۶، بحوالہ الموسوعة ۱۶/ ۲۹۴)۔

بعض فقہاء کا خیال ہے کہ مستور الحال ملزم کو ایک دن سے زیادہ قید نہیں کیا جا سکتا، کچھ لوگوں نے دو تین دن مقرر کیا ہے، اور بعض نے اس کو وسعت دے کر ایک ماہ تک کی اجازت دی ہے۔ (حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۸۸، تبصرة الحکام ۲/ ۱۴۸، المغنی لابن قدامہ ۹/ ۳۲۸)۔

مگر حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کا ظاہر مذہب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ مدت کی کوئی تحدید نہیں کی جا سکتی، متعلقہ حالات اور حاکم کی رائے پر منحصر ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بھی یہی رائے نقل کی جاتی ہے۔ (الاحکام السلطانیہ للماوردی ۲۲۰)۔

ایسے لوگ جن پر کسی قسم کا الزام تو نہ ہو، مگر ان سے مفاد عامہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کی نظر لگتی ہو۔

(حاشیہ ابن عابدین ۶/ ۳۶۴، حاشیہ القلیوبی ۴/ ۱۶۲، فتح الباری ۱۰/ ۲۰۵)۔

اسی طرح ایسے مجرمین جن کا جرم ثابت ہو چکا ہو، اور عدالت نے ان کو قابل سزا قرار دیا ہو، مگر بیماری یا کسی اور سبب سے متعلقہ سزا ان پر جاری نہ کی جا سکتی ہو تو سبب کے خاتمہ تک ان کو قید میں رکھنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ مجرم ایسا ہو جس کے فرار کا اندیشہ ہو، بصورت دیگر اس کو آزاد رکھ کر سبب کے خاتمہ کا انتظار کیا جائے گا۔ (درمختار مع ردالمحتار ۴/ ۱۶، المدونہ ۵/ ۲۰۶)۔

......☆☆☆☆☆......